افریقیہ میں اسلام کا ماضی

(از جناب خلیل حامدی صاحب)

[اس مضمون کی محرک ایک تازہ کتاب ہے جو "تذکرۂ افریقیہ" کے نام سے بریگیڈیر گلزار احمد صاحب نے لکھی ہے اور جو در حقیقت موصوف کے اسفارِ افریقیہ کی دلچسپ اور دلفگار رُوداد ہے۔ افریقیہ کے مختلف ملک جب آزاد ہوئے تو پاکستان کی طرف سے ان ملکوں کے جشن ہائے آزادی میں شرکت اور ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لیے ایک وفد ۱۹۶۰ء میں بھیجا گیا تھا۔ بریگیڈیر صاحب اسی وفد کے رُکن تھے، اور تذکرۂ افریقیہ اسی سفر کے مشاہدات و تاثرات کی یادداشت ہے۔ اس رُوداد میں انہوں نے تقریباً ۲۶ افریقی ممالک کے حالات کو کئی پہلوؤں سے اُجاگر کیا ہے[1] جن میں سے بعض پہلو خود اہلِ پاکستان کے لیے نہ صرف دلچسپ اور معلومات افزا ہیں بلکہ انتہائی قابلِ غور بھی۔ خاص طور پر انہوں نے بڑی ژرف نگاہی اور نکتہ رسی سے افریقی مسلمان کے اُن حالات و مسائل کا جائزہ لیا ہے جن سے وہ آج دوچار ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ آئندہ ان صفحات میں اس کتاب کی ان معلومات کو مختلف عنوانات کے تحت مرتب کریں جن سے افریقی مسلمان کی موجودہ حالت ہمارے ملک کے لوگوں کو معلوم ہو سکے لیکن اس سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک نظر افریقی ممالک کے ماضی پر بھی ڈال لی جائے تاکہ دنیا کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جن اقوام کو آج جاہل، پسماندہ اور ناتراش بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور جن کے ضعف و اضمحلال کی داستان سن کر سخت صدمہ

---

[1] مثلاً نیجر، داہومی، ٹوگو، اپر وولٹا، مالی، سینیگال، موریتانیہ، گینی، گامبیا، سیرالیون، لائبیریا، آئیوری کوسٹ، گھانا اور نائیجیریا وغیرہ۔

لاحق ہوتا ہے وہ ماضی میں کیا کارنامے انجام دے چکی ہیں اور افریقہ کی تاریخ تمدن میں انہوں نے کتنے ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ خیال تو یہ تھا کہ پورے سیاہ افریقہ کے ماضی سے مختصراً تعارف کرایا جاتا مگر عجلت کی وجہ سے صرف مغربی افریقہ کو اس تعارف کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہے اسی سے وسطی افریقہ اور مشرقی وجنوبی افریقہ کا قیاس کیا جا سکتا ہے]

امیر شکیب ارسلان نے مغربی افریقہ میں اشاعتِ اسلام کے تین مراحل بیان کیے ہیں۔ ہم انہی کی تقسیم کے مطابق ان تینوں مرحلوں میں اسلام کی داستانِ اثر و نفوذ بیان کریں گے۔ امیر شکیب ارسلان کے بیان کے مطابق پہلا مرحلہ سنہ ۲۰ھ سے شروع ہوتا ہے اور سنہ ۱۰۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں شمالی افریقہ فتح ہوا، اور ان علاقوں میں اسلام نے قدم رکھے جن کے حدود بحرِ متوسط سے سوڈان تک تھے۔

سیاہ افریقہ میں دعوتِ اسلامی کا پہلا دور: مصر فتح کرنے کے بعد لشکرِ اسلام نے برقہ اور طرابلس کا رُخ کیا۔ نامور صحابی حضرت عُقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس اسلامی فوج کے قائد تھے جو شمالی افریقہ میں داخل ہو رہی تھی۔ حضرت عقبہ نے قیروان (موجودہ تونس) کی بنیاد سنہ ۵۰ھ میں ڈالی اور اُسے فوجی چھاؤنی بنایا۔ پھر وہاں سے مراکش کی جانب بڑھے اور طنجہ تک پہنچے۔ وہاں کے صنہاجہ قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جن کی وجہ سے ریگ کے علاقے میں اشاعتِ اسلام کی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پھر سوس کی جانب رُخ کیا اور بربروں کے طاقتور قبیلہ مصامدہ کو زیرنگیں کیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عقبہ بحرِ اطلانتک کے ساحلی شہر نُول تک گئے اور اہلِ اللثام (منہ کو ڈھانک کر رکھنے والے)، قبائل سے مڈبھیڑ ہوئی اور بالآخر انہیں اسلامی حکومت کے تابع کیا۔ بعض مؤرخین، جن میں ٹمبکٹو کے مشہور عالم شیخ احمد بابا صاحب "الکشف والبیان" بھی ہیں، یہ رائے رکھتے ہیں کہ حضرت عقبہ سیاہ افریقہ (بلادِ سوڈان) میں داخل ہوئے اور تکرور (مالی اور اپر وولٹا)، اور غانہ (گھانا)، کو فتح کیا[1]۔ اور وہاں متعدد

[1] حاشیہ صفحہ ۵۵ پر دیکھیں

مسجدیں بنوائیں۔ ۶۲ھ میں ان علاقوں میں مسلمان آبادیوں کا وجود ملتا ہے۔ بہرحال یہ بات متفق علیہ ہے کہ عقبہ وہ پہلے مسلمان فاتح ہیں جنہوں نے اہلِ شام بربروں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور مغرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچے۔ اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سوڈان کے شمالی کنارے پر واقع تاریخی شہر آمد و رفت کا راستہ کھولا اور اس کے بعد شمالی افریقہ کے تاجروں کے قافلے صحراء کو عبور کرتے ہوئے اس شہر کی تجارتی سرگرمیوں میں حصہ دار ہونے لگے۔

حضرت عقبہ ان علاقوں سے واپس ہو رہے تھے کہ شہید کر دیئے گئے۔ اسلام نے ابھی ابھی یہاں قدم رکھے تھے اس لیے نومسلم بربری قبائل مرتد ہو گئے۔ ان کی فہمائش کے لیے حضرت زُہیر بن قیس متقرر ہوئے۔ انہوں نے زعیم بربر کُسیلہ کو شکست دی اور طنجہ تک اُس کا تعاقب کرتے ہوئے اُسے قتل کر دیا۔ زہیر کے بعد حَسان بن نعمان آئے۔ یہ اپنے پیشروؤں کی بہ نسبت فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت و اشاعت کے زیادہ حریص تھے۔ انہوں نے رومی قبائل کو شکست دی عرب اور بربروں میں مساوات قائم کی۔ اور عربی زبان میں سرکاری محکموں کی تدوین کی۔

حضرت موُسیٰ بن نُصَیر کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا نئے سرے سے آغاز ہوا۔ انہوں نے لشکرِ اسلام کے ہمراہ اُنہی راستوں کو اختیار کیا جن کو حضرت عُقبہ نے اختیار کیا تھا۔ سبتہ اور سوس تک پہنچے۔ بحرِ اطلانتک کے کنارے وضو کیا۔ وادیٔ دَرعا میں داخل ہو گئے اور مرتد قبائل کو دوبارہ آشنائے اسلام کیا۔ موسیٰ، حضرت عقبہ سے زیادہ دوراندیش تھے۔ وہ صرف ایک فوجی قائد ہی نہیں تھے بلکہ مصلح اور سیاست دان بھی تھے۔ انہوں نے بربروں کو اپنے قریب کیا۔

لے بلکہ نائیجیریا کے مؤرخ شیخ عبداللہ فودی نے اپنی کتاب "تزیین الورقات" میں یہاں تک لکھا ہے "حضرت عقبہ مغربی افریقہ آئے۔ قبائلِ روم سے ملے۔ ان قبائل کا بادشاہ جس کا نام برمندانہ تھا مسلمان ہو گیا۔ حضرت عقبہ نے برمندانہ کی لڑکی سے شادی کی جس سے چار اولادیں ہوئیں۔ فولانی قبائل جن کا مسکن فوتا، سینیگال اور گینیا، ہے اُنہی کی نسل سے ہیں۔"

اسلامی حکومت کی محبت اُن کے دل میں ڈالی اور ملکی نظم ونسق میں انہیں شریک کیا۔ مسجدیں بنوائیں اور عوام الناس کو دین کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کا انتظام کیا۔ نقاب پوش قبائل سے ملے جو صحرائے اعظم میں سوڈان کی شمالی حدود تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں دوبارہ اسلام کی دعوت پیش کی۔ اغمات میں مسجد تعمیر کروائی جو مراکش میں اسلامی تہذیب کی اشاعت کا مرکز بن گئی اور اس کی نور افگن کرنیں مغربی افریقہ کے در و بام کو نئی صبح سے آشنا کر رہی ہیں۔

موسیٰ بن نُصَیر کے جانشین بھی ان کے نقشِ قدم پر چلے۔ اور بربروں کے اندر دعوت و تبلیغ کے کام کو جاری رکھا۔ اسماعیل بن عبداللہ بن ابوالمہاجر جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی طرف سے افریقہ کے گورنر بنائے گئے تھے انہوں نے مراکش میں دعوتِ اسلامی کی توسیع میں اس حد تک دلچسپی لی کہ ان کے عہدِ حکومت میں وہاں کوئی ایسا بربر قبیلہ نہ رہا جو اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ نہ لے چکا ہو۔[۱] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسماعیل بن عبداللہ کے ساتھ فقہائے تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت روانہ کر دی جو مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئی۔ یہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، اسلام قبول کرنے والوں کو احکامِ دین کی تعلیم دیتے، حدود قائم کرتے، منکرات و محرمات کا سدِّباب کرتے اور مفاسد کی بیخ کنی کرتے تھے۔

دوسرا دور: اسلامی مملکتوں کا قیام یہ مرحلہ ۱۷۱ھ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۰۵۰ء تک ختم ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں شروع کا زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں اشاعتِ اسلام کی رفتار بہت سُست ہو گئی۔ خلیفۂ بغداد کے نفوذ سے جب بعض ریاستوں نے علیحدگی اختیار کی تو شمالی افریقہ کے مغربی حصے میں بھی مقامی مسلمان حکومتوں میں خود مختاری کا رجحان پیدا ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی کئی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں زیادہ طاقتور ادریسی حکومت تھی جو ادریس بن عبداللہ علوی کی زیرِ قیادت (۱۷۲ھ) قائم ہوئی۔ ادریسی حکومت نے دو بڑے کام کیے۔ ایک مراکش کو علوی امراء کی قیادت میں متحد کرنے کی کوشش۔ اس کوشش کے نتیجے میں میدانی علاقے کی آبادیاں اور

---

[۱] ابن عبدالحکیم: فتوح مصر و افریقیہ ص ۱۰۶

صحرائی آبادیاں یکجا ہوگئیں۔ اور دوسرے مراکش کے تمام علاقوں میں صحرائے اعظم کی آخری حد تک اسلام کی اشاعت، باطل عقاید کی بیخ کنی اور عیسائیت و یہودیت کے باقیماندہ اثرات کو محو کرنے کے لیے تحریکِ جہاد کا آغاز۔ اسی زمانے میں ادریسیوں نے فاس کی بنیاد ڈالی جہاں متعدد علمی مدرسے وجود میں آگئے اور ان کے اثرات دُور دراز قبائل تک پہنچنے لگے۔ اُدھر اندلس میں انہوں نے مسلمانوں کے اقتدار کو مضبوط تر کر دیا۔ چنانچہ یوسف بن تاشفین اسی عہد کی شخصیت ہے۔ اندلس میں ان کی کامیابیوں کی بدولت چار صدیوں تک وہاں اسلام کا غلغلہ بلند رہا۔ موسیٰ بن نصیر کے عہد میں بھی اندلس کے فاتحین میں اکثریت شمالی افریقہ کے بربروں کی تھی اور یوسف بن تاشفین کے لشکر میں بھی بیشتر بربر قبائل شریک تھے۔[1] ادریسیوں کے عہد میں دو زبردست قبیلے اسلام میں داخل ہوئے: ایک لمتونہ اور دوسرے جدالہ۔ یہ دونوں قبائل صنہاجہ نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اسلام میں داخل ہونے سے مسلمانوں کی شوکت و قوت میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور سیاہ قبائل نے جوق در جوق اسلام کو قبول کرنا شروع کر دیا۔

دریائے سینیگال کے طاس اور صحرائے اعظم کے علاقوں میں دعوتِ اسلامی کی تحریک کا اصل زور گیارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوا۔ ابن ابی زرع کا بیان ہے کہ "قبیلہ جدالہ (صنہاجہ کی ایک شاخ) کے سرخیل یحییٰ بن ابراہیم تقویٰ و تفقہ فی الدین میں مشہور تھے۔ یہ جب حج سے واپس آئے تو انہیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو ان کے قبیلہ کو تعلیم دین سے بہرہ ور کرے۔ چنانچہ عبداللہ بن یاسین نے ان کی ضرورت کو پورا کیا۔"[2]

عبداللہ بن یاسین نے بربروں میں جو احکامِ دین پر توجہ نہ دے رہے تھے، دعوتِ اسلامی کا

---

[1] یہی وجہ ہے کہ عیسائی اقوام نے لفظ بربر کو دنیا کے اندر بدنام کرنے کی بڑی کوشش کی ہے اور اس کے معنی میں ظلم و درندگی کا تصور پیدا کیا۔ اس کوشش کی کامیابی کا یہ عالم ہے کہ آج مسلمان بھی جب ظلم و ستم کی انتہا بیان کرنا چاہیں گے تو اسے "بربریت" کی اصطلاح سے موسوم کریں گے۔ ان کو یہ احساس نہیں کہ دراصل یہ ایک گالی ہے جو یورپ والوں نے مسلمان بربروں کے لیے وضع کی تھی۔ [2] الانیس المطرب ج ۲ ص ۱۱ و ۱۲ مطبوعہ رباط

کام شروع کر دیا اور خاص طور پر ان کی اخلاقی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس غرض کے لیے انہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر دریائے سینی گال کے ایک جزیرہ میں اپنا مرکز دعوت قائم کر لیا۔ وہاں ایک رباط تعمیر کی جو عبادت گاہ بھی تھی اور دین کی تعلیم و تربیت اور اخلاقی و اجتماعی اصلاح کا مرکز بھی۔ بربر کے قبائل جُدالہ، لمتونہ اور مسوفہ میں سے عبداللہ کو ایک ہزار کارکُن ایسے دستیاب ہو گئے جن کی انہوں نے پوری طرح تعلیم و تربیت کی اور پھر انہیں مغربی افریقیہ کے ممالک میں دعوتِ اسلامی کے لیے روانہ کیا۔ ابن ابی زرع کا بیان ہے کہ عبداللہ بن یاسین نے اپنے شاگردوں کو کارِ دعوت پر روانہ کرتے وقت کہا:

"اللہ کے نام پر آپ لوگ نکل کھڑے ہوں، اپنی قوموں کو تبلیغ کریں، خدا کے عذاب سے انہیں ڈرائیں، اور اسلام کی حجت اُن پر تمام کریں۔ اگر وہ توبہ کریں اور حق کی طرف رجوع کریں اور نافرمانیوں سے باز آجائیں تو اُن سے کوئی تعرض نہ کریں۔ لیکن اگر وہ انحراف کا راستہ اختیار کریں اور گمراہی و سرکشی میں مزید اُتر جائیں: تو ہم اُن کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے اور اُن سے جہاد کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی فیصلہ فرمادے۔"

عبداللہ بن یاسین نے خود بھی صحراء کے آخری کناروں تک سفر کیا اور صنہاجہ قبائل میں اسلامی تعلیم کو فروغ دیا اور بالآخر برغواطہ کے کافروں سے لڑتے ہوئے ۴۵۹ھ میں شہید ہو گئے۔ کریفلہ مقام پر ان کی قبر بنی ہوئی ہے۔

ان لوگوں نے دعوت و جہاد میں جو کارنامے سرانجام دیئے، اور صبر و استقلال کے جو جوہر دکھائے ان کی بنا پر انہیں "مرابطین" کے لقب سے یاد کیا گیا۔ شمالی اور مغربی اور وسط افریقیہ میں مرابطین کی تحریک نے دعوتِ اسلامی کے فروغ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اور جب بربر امیر ابوبکر بن عمر نے اپنے چچا زاد بھائی یوسف بن تاشفین کو مراکش کا حاکم مقرر کیا تو انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت مرابطی حکومت کی داغ بیل ڈالی جو تاریخ میں دولت مرابطین

کے نام سے مشہور ہوئی۔ دولتِ مرابطیہ نے نہ صرف اندلس کی وادیوں میں اسلام کا سکّہ رواں کیا بلکہ افریقہ کے بیشتر حصّوں کو بھی اسلام کی بہارِ جانفزا سے لطف اندوز کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ نامور مجاہد یوسف بن تاشفین شہر مراکش کے بانی (۱۰۶۲ء) مرابطی حکومت کے دوسرے سربراہ تھے، ان کا دور اس لحاظ سے امتیازی شان رکھتا ہے کہ سیاہ افریقہ کی خلقِ کثیر فوج در فوج نعمت اسلام سے مالامال ہوئی۔

۱۰۷۶ء میں بربر مجاہدین اور مبلغین گھانا کے علاقوں میں اُتر گئے۔ گھانا کے حکمرانوں سے تصادم ہوا۔ مگر یہ حکمران دعوتِ اسلامی کے سیلاب کے سامنے نہ ٹک سکے۔ بربر گھانا پر قابض ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گھانہ کی پوری آبادی اسلام میں داخل ہو گئی۔ اسی سال مرابطین کی کوشش سے مغربی افریقہ کے وسیع الاثر فولانی قبائل مسلمان ہو گئے۔ یہ قبائل ان علاقوں میں آباد تھے جو آج سینی گال، فرنچ سوڈان (یعنی گایون، چاڈ، وسط افریقہ جس کا قدیم نام اُبنگی شاری تھا، اور بالائی کانگو)، نیجر اور نائیجیریا کے ناموں سے مشہور ہیں۔ فولانی قبائل کے مسلمان ہو جانے سے پورا مغربی افریقہ اور صحرائے اعظم اذانوں سے گونج اٹھا[1] اور اس کے بعد سیاہ افریقہ کے مغربی حصّوں میں پے در پے کئی اسلامی مملکتیں وجود میں آگئیں[2] جن میں سے بعض کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

موحّدین کی حکومت کے بانی محمد بن عبداللہ بن تُومرت نے بھی فقیہ ملتونہ عبداللہ بن یسین مرابطی کے طریقۂ دعوت و تجدید کو اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے آبائی وطن ہرغہ میں رباط قائم کی، اپنے تلامذہ اور متبعین کی تنظیم کی اور دعوت و جہاد کی طرح ڈالی اُن کی اُن کوششوں کے نتیجے میں بارھویں صدی عیسوی میں وہ عظیم الشان حکومت وجود میں آئی جو افریقہ کی تاریخ میں موحّدین کی حکومت سے یاد کی جاتی ہے۔ اس حکومت کی بنیاد خالص توحید پر قائم تھی۔ اس حکومت نے امر بالمعروف اور

---

[1] الاسلام فی نائیجیریا، تالیف آدم عبداللہ الالوری النائیجیری ص ۱۵ مطبوعہ مصر

[2] تاریخ الدولۃ الفاطمیہ ص ۳۰۲ مطبوعہ القاہرہ تالیف حسن ابراہیم حسن۔

نہی عن المنکر کا نظام جاری کیا۔ خود محمد بن عبداللہ بن تومرت نے عقیدۂ توحید کے موضوع پر بربری زبان میں متعدد کتابیں تالیف کیں اور انہیں اپنے شاگردوں اور رضاکاروں کے ذریعہ مسلمان آبادیوں اور قبائل میں پھیلایا۔ صاحب الاستبصار کا بیان ہے: "موحدین کی کوششوں سے توحید خالص کی دعوت مشرق میں طرابلس اور مغرب میں گھانا، اور افریقہ کے قلب تک پھیل گئی۔"

یہ ہے اُن کوششوں کا اجمالی تذکرہ جو دَورِ ثانی میں اشاعتِ اسلام کے باب میں صرف کی گئیں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں مغربی اور وسطی افریقہ میں مسلمانوں کی عظیم الشان مملکتیں وجود میں آگئیں، جنہوں نے اسلام کی اشاعت، تہذیب و تمدن کے فروغ اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ ان مملکتوں میں سے بعض کا ہم ذیل میں تعارف کراتے ہیں۔

مملکتِ غانہ وسطی افریقہ اور مغربی افریقہ میں سوڈانی اقوام کی جتنی مملکتیں قائم ہوئی ہیں اُن میں قدیم ترین مملکتِ غانہ (گھانا) ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں اس مملکت پر سوننکی قوم حکمران تھی جو سوڈانی اقوام کی ایک شاخ تھی۔ اس وقت اس مملکت کی حدود مشرق میں ٹمبکٹو تک، جنوب مشرق میں دریائے نیجر کے دھانوں تک، جنوب اور جنوب مغرب میں سینی گال کے منبع تک اور مغرب میں تکرور (جس کی حدود سینی گال کے شمال سے لے کر فوتا یعنی موجودہ گینیا تک تھیں) پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مملکت مراکشی قبائل کی آبادیوں کے جنوب میں قائم تھی۔ اس مملکت میں سونے کے ذخائر بکثرت موجود تھے اور مراکش اور مغربی یورپ تک سونا برآمد کیا جاتا تھا۔ غانہ کی اس تجارت کا آفاق میں شہرہ تھا۔ اسی بنا پر شمالی افریقہ سے مسلمانوں کی کثیر تعداد یہاں آکر آباد ہو گئی اور یہاں کاروبار اور ملازمت کرنے لگی۔ بلکہ مسلمانوں نے شہر غانہ کے کچھ فاصلے پر اپنا مستقل شہر تعمیر کر لیا، جس کی عمارات پتھر کی تھیں جبکہ سوڈانی غانہ مٹی اور گھاس پھوس کی جھونپڑیوں سے عبارت تھا۔ فقیہ ملتونہ عبداللہ بن یاسین نے جب سینی گال میں مرابطی دعوت کا آغاز کیا، تو اس کے اثرات غانہ تک بھی پہنچے۔ اس کے بعد مرابطی حکمرانوں نے غانہ کو فتح کرنے کی متعدد کوششیں کیں مگر ۱۰۷۶ء میں مشہور مرابطی لیڈر ابوبکر بن

عمر کے ہاتھوں یہ مملکت شکست کھا گئی۔ اور جب ابوبکر بن عمر نے اپنے چچا زاد بھائی یوسف بن تاشفین کو جانشین بنایا تو یوسف بن تاشفین نے مراکش اور اندلس کی فتوحات کے ساتھ سوننکی کی مملکت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور وہاں اسلامی حکومت کا پرچم لہرا دیا۔

تقویم البلدان میں غانہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ اس کے دو شہر ہیں۔ ایک مسلمانوں کا اور دوسرا کفار کا۔ شریف ادریسی نے غانہ پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: " ملال اور غانہ بحر شیریں (یعنی دریائے نیجر) کے کنارے دو شہر ہیں۔ غانہ رقبہ کے لحاظ سے سوڈان (یعنی نیگرو اقوام) کا سب سے بڑا ملک ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بھی سب سے مقدم ہے۔ اس کی تجارت بھی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ ارد گرد ممالک سے خوشحال تاجر یہاں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ بادشاہ کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت حسن بن علی کی نسل سے ہے۔ اس کا نسب یہ ہے: صالح بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ خطبہ اسی کے نام کا پڑھا جاتا ہے۔ لیکن وہ خلیفہ عباسی کے زیر اطاعت ہے۔ دریائے نیجر کے کنارے اُس کا قصر ہے جس کی عمارت نہایت پائدار اور مستحکم ہے۔ کمرے نقش و نگار اور رنگ و روغن سے مزین ہیں۔ بلور کی قندیلیں آویزاں ہیں۔ یہ قصر سنہ ۵۱۰ھ میں تعمیر کیا گیا۔[1]

نیز شریف ادریسی نے لکھا ہے: دریائے نیجر میں ایک جزیرہ ہے جو شہر غانہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کی لمبائی ۳۰۰ میل اور چوڑائی ۲۰۰ میل ہے۔ اگست کے مہینے میں جب سیلابوں کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور پانی اُتر جاتا ہے تو لوگ سونے کے ٹکڑوں کی تلاش میں جزیرہ کی جانب نکل جاتے ہیں۔ اور ہر انسان کم یا زیادہ جو کچھ اللہ نے اس کی قسمت میں لکھا ہے، سونا لے آتا ہے۔ یہ لوگ اس کی تجارت کرتے ہیں۔ سونے کے ٹکڑوں کو ٹکسال گھروں میں لے جاتے ہیں اور انہیں دیناروں میں ڈھالتے ہیں اور پھر کاروبار پر لگاتے ہیں۔ یہ طریقہ ہر سال اختیار کیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق ص ۶

[2] ایضاً ص ۸

ناصری السلاوی نے مقامات حریری کے شارح ابوالعباس احمد الشریشی کے حوالے سے لکھا ہے: مراکش کے تاجر بنی بذرار کے شہر سجلماسہ میں جمع ہوتے ہیں اور پھر قافلوں کی صورت میں غانہ کا سفر کرتے ہیں۔ جاتے وقت یہ مسافت وہ تین ماہ میں طے کرتے ہیں اور واپسی پر ڈیڑھ ماہ میں۔ اپنے ساتھ جو مال و متاع لے کر جاتے ہیں اسے سونے کے ٹکڑوں کے عوض وہاں فروخت کرتے ہیں۔ مراکشی تاجر اگر تیس اونٹ غانہ لے کر جائے گا تو ان میں سے صرف تین یا دو اونٹ واپس لائے گا۔ ایک اونٹ سواری کے لیے اور دوسرا پانی لادنے کے لیے۔ تاجر تیس اونٹوں کا سامان بیچ کر جو سونا خریدتا ہے وہ ایک اونٹ کا بوجھ ہوتا ہے[1]۔"

اس مختصر بیان سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ غانہ کی اسلامی مملکت نہایت مالدار تھی۔ عوام الناس بڑے خوشحال تھے۔ سونے کے ذخائر کی وجہ سے اس مملکت میں تجارت عروج پر تھی۔ یورپ تک سے تاجر یہاں پہنچتے تھے۔ اس لحاظ سے غانہ کا تاجر بیرونی تہذیبوں سے پوری طرح آشنا تھا۔ غانہ میں غیر ملکی سامان کی درآمد کثرت سے تھی۔ تجارت پیشہ قوم عقلی و ذہنی اور تمدنی لحاظ سے جن خوبیوں سے بہرہ ور ہوتی ہے وہ سب ان میں پائی جاتی تھیں۔

مملکت مالی[2] اس مملکت کے مشرق میں برنو (چاڈ)، مغرب میں بحر اطلانتک[3] شمال میں جبل بربر تھا۔ یہ مملکت "سیاہ افریقہ" کی سب سے بڑی اسلامی مملکت شمار ہوتی تھی۔ اس کے پانچ صوبے تھے جن میں سے ہر صوبہ مستقل مملکت تھا اور کنفیڈریشن کی شکل میں صوبہ مالی کے تحت تھا۔ ان صوبوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ صوبہ مالی۔ یہ صوبہ باقی صوبوں کے وسط میں تھا۔ اسے مرکزی حکومت کی حیثیت حاصل

---

[1] الاستقصار لاخبار دول المغرب الاقصیٰ ج ۵ ص ۹۹ --- ۱۰۰

[2] عوام الناس اسے "بلاد تکرور" کہتے تھے۔ اور تکرورن بن گیا۔ سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں ان علاقوں کے باشندوں کو آج بھی تکرونی کہا جاتا ہے۔

[3] اس کا قدیم نام بحر ظلمات ہے۔

تھی۔ اس کا دارالحکومت نیئنی تھا۔ موجودہ مالی ریاست تقریباً وہی علاقہ ہے جہاں پہلے صوبہ مالی تھا۔

۲۔ صوبہ صوصو۔ یہ مالی کے مغرب میں تھا

۳۔ صوبہ غانہ۔ یہ صوصو کے مغرب میں تھا۔ اور بحر اطلانتک تک اس کی حدیں ملتی تھیں۔ یہاں سونے کی کانیں تھیں، مراکش کے تاجر سجلماسہ (موجودہ تافیلات) کے راستے سے صحرا کو عبور کرتے ہوئے یہاں پہنچتے تھے۔ صوبہ غانہ کے لوگ حضرت عقبہ بن نافع کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

۴۔ صوبہ کوکو۔ یہ صوبہ مالی کے مشرق میں تھا۔ اس کا دارالحکومت کوکو تھا۔ اس کے اور غانا کے درمیان ڈیڑھ ماہ کی مسافت تھی۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اب نیجر ہے۔

۵۔ صوبہ تکرور۔ یہ کوکو کے مشرق میں تھا۔ اس کا دارالحکومت تکرور تھا۔ عوام اونی لباس پہنتے تھے اور خواص روئی کا لباس۔ ان کی خوراک مکی، دودھ اور مچھلی تھی۔ مراکش کے تاجر سیپ، تانبا اور ریشم لے کر جاتے تھے اور سونے کے ٹکڑے لاتے تھے[۱]

گیارھویں صدی عیسوی کے وسط میں کانگابا (KANGABA) کے سلاطین جو مینڈگو قوم سے تعلق رکھتے تھے مسلمان ہو گئے۔ سب سے پہلا مسلمان حکمران برمندانہ تھا۔ اس نے اسلام لانے کے بعد حج کیا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں انہوں نے جنوب اور جنوب مشرق میں اپنی مملکت کی حدود کو توسیع دینی شروع کی۔ ۱۲۳۰ء میں سلطان سانڈیاٹا نے اس مملکت کو مالی جیسی عظیم الشان مملکت میں تبدیل کر دیا۔ مینڈگو کو فولانی زبان میں مالی کہتے ہیں۔ اور بربری میں ملت (MELIT) اس کے بعد سلطان سنڈیاٹا نے مملکت گھانا پر ۱۲۴۰ء میں قبضہ کر لیا اور نیانی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ سلطان سنڈیاٹا اگرچہ اس کے بعد لڑائیوں میں شریک نہیں ہوا مگر اس کی فوجوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے جانشین منسا اولی[۲]

---

[۱] القلقشندی: صبح الاعشیٰ ج ۵ ص ۲۸۲

[۲] منسا فولانی زبان میں سلطان کو کہتے ہیں۔ منسا اولیٰ یعنی سلطان اول۔

(۱۲۵۵ء -- ۱۲۷۰ء) کے عہد میں انہوں نے بامبوک (باماکو) اور بندو پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۷۰ء اور ۱۳۰۷ء کے درمیان سات بادشاہ حکمران ہوئے جن میں سکوٹا (۱۲۸۵ء -- ۱۳۰۰ء) سب سے مشہور تھا۔

منسا موسیٰ (۱۳۰۷ء -- ۱۳۳۲ء) کا عہد مملکت مالی کے عروج و ترقی کا عہد ہے۔ اس عہد میں مالی کی اسلامی سلطنت میں غیر معمولی توسیع ہوئی اور مشرق میں ڈنڈی سے لے کر مغرب میں تکرور تک اور صحرا اعظم کے آخری شہر ولاتہ سے لے کر جنوب میں فوتا جالون (گنیا) تک اس کی حدیں پھیل گئیں۔ پورے مغربی اور وسطی افریقہ میں سوائے تجارتی شہر جنی (JENNE) اور آزاد مملکت موسی (MOSSI) کے کوئی علاقہ ایسا نہ رہا جو اسلامی سلطنت کا حصہ نہ بن چکا ہو۔ مراکش، برقہ اور مصر سے قافلے آتے اور مالی کی زیارت کرتے۔ منسا موسیٰ کے تمام اسلاف حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے رہے ہیں۔ منسا موسیٰ نے جب حج کیا تو اس کا چرچا پوری اسلامی دنیا تک پھیل گیا۔ یہ سفر اس نے ۱۳۲۴ء میں کیا ہے۔ موسیٰ خود گھوڑے پر سوار تھا۔ حاشیہ میں ۵ سو غلام تھے۔ ہر غلام کے ہاتھ میں سونے کا ایک عصا تھا جس کا وزن ۵۰۰ مثقال تھا۔ اس کے علاوہ ۸۰ سے زائد اونٹ سونے سے لدے ہوئے تھے، جن میں سے ہر ایک پر تین قنطار سونا تھا۔ راستہ بھر موسیٰ سونے کی بارش کرتا گیا۔ قاہرہ میں خوب داد و دہش کی۔ اس وقت سلطان الناصر محمد بن قلاوون کی حکومت تھی (ابن خلدون)۔ حرمین میں بھی اُس نے خوب سونا لٹایا۔ والی مصر کے حاجب ابن امیر کے بیان کے مطابق واپسی پر موسیٰ کو مصر کے تاجروں سے قرض لینا پڑا۔ اسی سفر میں واپسی پر اپنے ساتھ علماء اور ماہرین کی ایک جماعت کو ساتھ لیا جنہوں نے مالی اور ٹمبکٹو میں اپنے مرکز قائم کیے۔ ان میں ایک معمار ابو اسحاق الساحلی تھا جو غرناطہ کا رہنے والا تھا۔ اسی معمار نے منسا موسیٰ کا محل تعمیر کیا اور گاؤ (GAO) اور ٹمبکٹو (TOMBOUCTOW) میں عالیشان مسجدیں بنائیں۔ مغربی افریقہ کے فن تعمیر میں پختہ اینٹ کا استعمال سب سے پہلے اسی معمار نے رائج کیا۔[1]

[1] FAGE . HISTORY OF WEST AFRICA PP. 24-26

ابن بطوطہ نے منسا موسیٰ کی داد و دہش کے بارے میں لکھا ہے:

"اُس نے ایک ہی دن میں ابواسحاق الساحلی کو ۴ ہزار مثقال سونا دیا اور دوسروں کو تین ہزار مثقال۔ ملسان کے ایک شخص نے منسا موسیٰ کو بچپن میں ۷ ½ مثقال سونا دیا تھا۔ موسیٰ کے سلطان بن جانے کے بعد یہ شخص اُس کے پاس آیا۔ موسیٰ نے اسے پہچان لیا اور امراء سے دریافت کیا: "ایسے شخص کی نیکی کا کیا بدلہ ہے؟" امراء نے کہا: "ایک نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے"۔ مگر موسیٰ نے اُسے سات سو مثقال سونا، اور خلعت، اور خدم و حشم کی ایک جماعت عطا کی"۔[1]

ابن بطوطہ نے ۷۵۳ھ میں مالی مملکت کی سیاحت کی ہے جبکہ منسا سلیمان سریر آرائے حکومت تھا۔ ابن بطوطہ منسا سلیمان کے دربار میں گیا اور اعیانِ حکومت اور فقہاء اور علماء سے ملاقات کی۔ منسا سلیمان نے ابن بطوطہ کو خصوصی مہمان خانہ میں ٹھہرایا۔ جب رمضان کی ۲۷ تاریخ آئی تو منسا سلیمان نے شہر کے قاضی، خطیب اور فقہاء کو بہت اموال دیئے۔ ابنِ بطوطہ کو بھی ۳۳ ½ مثقال سونا دیا۔ ابن بطوطہ روانہ ہونے لگا تو مزید ایک سو مثقال سونا دیا۔[2] ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں منسا بادشاہ کے محل اور دربار کی کیفیت کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے: عید کے روز لوگ سفید لباس پہن کر نکلے۔ سروں پر سبز رنگ کا نقاب تھا۔ قصرِ شاہی سے متصل عید گاہ میں جمع ہوئے۔ بادشاہ جب نماز کے لیے آیا تو تکبیر و تہلیل کی آوازوں سے فضا گونج اٹھی۔ خطبہ اور نماز کے بعد خطیب بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور فضائلِ عید بیان کیے۔ اُسی روز حسبِ معمول سلطان عصر کے بعد دربار میں آکر بیٹھا۔ شعراء نے قصائد پڑھے جن میں سابق حکمرانوں کی شجاعت اور جود و سخا اور عدل و انصاف کے قصّے بیان کیے گئے۔[2]

ابنِ بطوطہ کا مزید بیان ہے:

"مالی کے لوگ عدل و انصاف میں مشہور ہیں۔ ملک کے اندر امن و امان کا دور دورہ ہے۔

---

[1] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۹۹ - ۲۰۰

[2] رحلۃ ابن بطوطہ: ج ۲ ص ۱۹۷ - ۱۹۸

کسی مسافر یا مقیم کو چور یا ڈاکو سے کوئی خطرہ نہیں۔ مراکش یا دوسری سفید فام آبادیوں میں سے آنے والا کوئی شخص اگر یہاں انتقال کر جائے تو اس کے اموال سے کوئی تعرض نہیں کرتا خواہ وہ انباروں کے انبار کیوں نہ ہو۔ بلکہ لوگ اُسے قابلِ اعتماد ہاتھوں تک پہنچا دیتے ہیں تاکہ اُس کے حقدار کے حوالے کر دیا جائے۔ لوگ نماز کے بڑے پابند ہیں۔ نماز با جماعت کا غیر معمولی اہتمام ہے۔ بچے اگر نماز نہ پڑھیں تو انہیں مارتے ہیں۔ جمعہ کے روز اگر آدمی قبل از وقت مسجد میں نہ جائے تو اُسے جگہ نہیں ملتی، کیونکہ مسجدیں پوری طرح بھر جاتی ہیں۔ جمعہ کے روز لوگ سفید لباس پہنتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی پرانی قمیص ہو تو وہ اسے دھو کر اور صاف کر کے جمعہ میں شریک ہوگا۔ لوگوں میں قرآن مجید حفظ کرنے کا عظیم شوق و ولولہ پایا جاتا ہے۔ بچوں کو قرآن حفظ کراتے ہیں۔ اور اگر کوئی بچہ اس سے گریز کرے تو اسے سزا دیتے ہیں[1]۔"

قلقشندی نے لکھا ہے:

"اہلِ مالی میں جادو کا رواج ہے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جادو سے انسان قتل تک کر دیا جا سکتا ہے۔ سلطان جس طرح قاتل پر قصاص نافذ کرتا ہے اسی طرح جادوگر کو بھی موت کی سزا دیتا ہے۔ وہاں یہ رواج ہے کہ جو شخص بادشاہ کی مجلس میں چھینک مارے اُسے زدوکوب کرتے ہیں۔ اگر کسی کو چھینک آئے تو وہ زمین کی جانب جھک کر چھینک لیتا ہے۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں لکھتا بلکہ سکرٹریوں سے لکھواتا ہے۔ ملکی فوج کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ دس ہزار گھڑ سوار اور باقی پیادہ[2]۔"

سر ٹامس آرنلڈ کا بیان ملاحظہ ہو:

"مالی کے باشندے افریقہ کی نیگرو اقوام میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ، مہذب اور ذہین تھے۔ صنعت و حرفت میں، امانتداری میں، بستیوں کی صفائی اور نظافت میں بے مثال تھے۔ اسلامی شریعت کے سخت پابند تھے[3]۔"

---

[1] رحلہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۰۰ [2] صبح الاعشیٰ ج ۵ ص ۲۹۱-۲۹۰-۳۰۰ [3] الدعوۃ الی الاسلام (ترجمہ: دی پریچنگ آف اسلام) ص ۲۷۵

منسا موسیٰ کے بعد مملکت مالی میں اضمحلال کا آغاز ہو گیا۔ اور اس کے بعض حصے خود مختار ہو گئے۔ سولھویں صدی کے بعد یہ مملکت زوال پذیر ہو گئی۔ پرتگیزیوں نے ساحلی علاقہ پر اپنی کالونی بنالی۔ سترھویں صدی میں یہ مملکت سکڑ کر انہی حدود میں محصور ہو گئی جن میں پہلے تھی[1] مگر اس کے زوال کے ساتھ ہی ایک اور مملکت سنگھائی کو عروج نصیب ہوا۔

مملکت سنگھائی سنگھائی قوم کے کاشتکار دریائے نیجر کے کنارے آباد تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں مراکشی بربروں نے ان پر حملہ کیا۔ اور ڈیا (DIA) خاندان کی حکومت قائم ہوئی جو ۱۳۳۵ء تک قائم رہی ان کا دارالحکومت کوکیا تھا جو موجودہ نائیجیریا کے شمال مغرب میں تھا۔ بعد میں یہ علاقہ مملکت مالی کا جز بن گیا۔ اس مملکت کے تجارتی تعلقات گھانا، تونس، برقہ اور مصر سے تھے۔ انہی تعلقات کی بدولت یہاں کے حکمران شمالی افریقہ کی دعوتی کوششوں سے متاثر ہو کر گیارھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد سنگھائی کا صدر مقام دریائے نیجر کے کنارے گاؤ شہر میں منتقل کر دیا گیا جو تجارتی شاہراہوں پر واقع تھا۔ ۱۳۳۵ء میں جب مملکت مالی کو زوال ہوا تو ڈیا خاندان نے دوبارہ اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان کا لقب سُنّی تھا۔ اُس وقت اس مملکت کی حدیں وادی نیجر سے متجاوز نہ تھیں مگر سُنّی علی کے عہد (۱۴۶۴ء۔ ۱۴۹۲ء) میں اسے بڑی وسعت حاصل ہوئی۔ ۱۴۶۸ء میں اہلِ ٹمبکٹو نے بُت پرست قبائل کے مسلسل حملوں کے خلاف سُنّی علی سے فوجی کمک طلب کی۔ چنانچہ سُنّی علی نے بڑھ کر اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے پانچ سال بعد سنّی علی نے جنّی کے تجارتی شہر پر قبضہ کر لیا۔ سنّی علی سخت گیر حکمران تھا۔ اس کے عہد میں ٹمبکٹو کے علماء اور فقہاء ہجرت کر کے ولاتہ چلے گئے۔ سنّی علی کی وفات کے بعد سلطنت کی زمام کار فوج کے ایک افسر کو منتقل ہوئی جس کا تعلق سوننکی قبیلہ سے تھا۔ اُس نے اپنا لقب اسکیا محمد الاوّل رکھا۔ یہ بڑا دیندار حکمران تھا۔ اس نے شہری نظم و نسق کو مستحکم کیا۔ فوجی نظام مضبوط کیا۔ اور تمام سرکاری ذرائع کو دین کی ترقی و اشاعت پر صرف کیا۔ ۱۴۹۵ء میں اس نے سفرِ حج کیا۔ اُس کا یہ سفر داد و دہش اور شان و شکوہ میں منسا موسیٰ کے سفر سے بھی فزوں تر تھا۔

[1] FAGE - HISTORY OF WESTERN AFRICA PP. 26-29.

اس کے عہد میں ٹمبکٹو میں اسلامی علوم و فنون کو بڑی ترقی نصیب ہوئی۔ حج سے واپس آکر اسکیا محمد الاول نے اردگرد کے علاقوں میں اشاعت اسلام کی زبردست مہم جاری کی۔ چنانچہ مغرب میں مینڈنگو اور فولانی قبائل اور شمال میں بربر طوارق، جنوب میں مُسّی اور مشرق میں ہوسا قبائل میں دعوتِ اسلامی کا زبردست چرچا ہوگیا۔ اس کے ساتھ سنگھائی کی حدیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئیں۔ مُسّی قبائل کی ریاستوں کے علاوہ کوئی ریاست بھی اسکیا محمد الاول کے سیلاب جہاد کے آگے نہ ٹھیر سکی سنگھائی میں شمال ریاستوں کی حدیں بلاد تکرور تک اور شمال اور شمال مشرق میں بربری آبادیوں تغزہ اور اغدیس تک پھیل گئیں۔ ہوسا کی آبادیاں بھی اسکیا کی باج گزار بن گئیں۔ گویا سنگھائی مملکت اس تمام علاقے کو محیط تھی جو سابق میں فرانسیسی مغربی افریقہ کہلاتا تھا اور جس کا رقبہ ۸ لاکھ مربع میل تھا۔ نیز اس میں تمام شمالی نائیجیریا اور اس کا صحرائی علاقہ شامل تھا۔ اسکیا محمد الاوّل کی حکومت اپنے زمانے کی نہایت ترقی یافتہ حکومت تھی۔ وہ خود بہت بڑا عالم تھا اور علوم و فنون کا قدردان تھا۔ ۱۵۲۸ء میں اُس کا انتقال ہوا۔ اُس کے جانشین اسکیا اسحاق الاول (۱۵۳۹ء-۱۵۴۹ء) نے بڑی کوششوں سے مملکت کو خلفشار سے بچایا۔ اسکیا اسحاق کے بعد داؤد کے ہاتھ میں زمامِ سلطنت آئی۔ اس نے بھی اپنے پیشرووں کی طرح بُت پرست قبائل میں دعوتِ اسلامی کی مہم کو جاری رکھا۔ داؤد کی وفات (۱۵۸۲ء) کے بعد اندرونی خلفشار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مملکت کو کمزور کرنے کا موجب بن گیا۔ سلطان مراکش احمد منصور ذہبی نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر سنگھائی پر لشکر کشی کی تاکہ سونے کی کانوں پر قبضہ کرے۔ مگر یہ لشکر کشی حکومتِ مراکش کے لیے مفید ثابت نہ ہوئی۔ ایک طرف حکومتِ مراکش کو اس مہم میں بہت بھاری مصارف ادا کرنے پڑے جو سونے کی کانوں سے پورے نہ ہوسکے، کیونکہ سونے کا نکاس اصل آمدنی نہ تھی بلکہ سونے کی تجارت اصل آمدنی تھی اور یہ تجارت ملکی امن و امان کی حالت ہی میں جاری رہ سکتی ہے۔ دوسری طرف مراکشی فوجیں سوڈانی علاقوں میں امن قائم کرنے میں ناکام ہوگئیں۔ ملک میں جگہ جگہ فولانی، بمبارا اور طوارق نے شورشیں برپا کر دیں۔ یہ وہ دور تھا جبکہ یورپی اقوام مغربی افریقہ کے ساحل پر اُتر رہی تھیں۔ فوجی سرداروں نے بھی خود مختاری اختیار کر لی۔ پاشاشے مراکش اب صورتِ حال پر قابو نہ رکھ سکے اور آخرکار اقتدار مبارک کے حکام کی طرف منتقل ہوگیا۔

(باقی)